

# عشقِ کرب

”آپ کو ایک قصہ سناؤں۔“  
 سن لیجئے۔ مختصر مگر ہے۔ آپ کا کیا جائے گا۔ بس  
 یہ ہے کہ آپ کی سہیلی سے میرے دل کا بوجھ بٹکا  
 ہو جائے گا۔  
 ممکن ہے رہتے ہوئے دشمنوں پر چھاپا رکھنے کی کوئی  
 صورت نکل سکے۔  
 خوشی کی صدیاں لکھوں کے برابر ہوتی ہیں مگر کرب  
 کے لمحوں میں انسان کو صدیاں جھٹی پڑتی ہیں۔ میں  
 صدیاں بٹی رہی ہوں۔  
 مجھ پر رحم کھائیے، صرف تھوڑی دیر کے لیے مجھے

## ناولٹ



سن لیجئے میں جھٹکتے لگی ہوں اس بوجھ کو دھوئے  
 دھوئے اس کمر میں میرے کمر میں۔ کوئی ایک بھی  
 ایسا فرد نہیں ہے جس سے میں اپنا غم کھ سکوں جسے  
 اپنے زخم کھا کر مسیحائی کی گزارش کر سکوں۔  
 ”ہاں۔ یہ میرے کمرے کی دیواریں ہیں، جن سے  
 میں اپنا ہر غم کھ چکی ہوں۔ انہوں نے میرے کرب کو  
 دیکھا، میری شدتوں کی برادری پر ماتم کیا ہے یہ میرے  
 راز کی شریک ہیں، میری واحد ساتھی۔ میری واحد  
 ساتھی مگر۔ سچی ساتھی۔  
 یہ میری ذاتیں منتی ہیں مگر ولتی نہیں۔ یہ میرا غم  
 دیکھتی ہیں مگر ان کی ذہن نہیں۔ یہ جانتی ہیں میرے  
 دل کا سکون الفاظ میں نہیں ہے مگر ان کے پاس الفاظ کی  
 نقدی نہیں۔ یہ بول سکتیں تو مجھے تب ہی نہ دوک  
 لیتیں جب میری ”برادری“ مجھے اپنے پیچھے دوڑائے  
 لیے جا رہی تھی۔

آپ کو پتا ہے انسان کے لیے اس سے کڑا وقت اور  
 کوئی نہیں ہو سکتا جب اس کے ارگرد رہنے والے  
 اس کے بہت پیارے بہت اپنے اس کے دل کا حال نہ  
 جان سکیں۔

اللہ نے انسان کو سب کچھ دیا، علم سے لہذا، عقل  
 دی اور پھر۔ پھر اس کے اندر دو سراہٹ کی خواہش  
 ڈال دی۔

انسان لاکھ دھماکے ہو، مگر فاضل ہو مگر یہ خواہش  
 اپنے اندر سے کبھی نہیں نکال پاتا کہ جب وہ مضطرب





ہو تو کوئی دوسرا انسان اس کے اضطراب کو اپنے الفاظ سے رفع کرے۔ جب وہ زخمی ہو تو اس کے زخموں پر کسی اور کے ہاتھ چما رہے ہیں۔

کس "الفاظ کا ہوا یا ہاتھ کا اثر ایک بات طے ہے۔ زندگی کے کسی نہ کسی مقام پر انسان کو چاہی اور ہلائی سے بچانے کا سبب ضرور بناتا ہے۔

میرا خیال ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں آپ سے گزارش کیوں کر رہی ہوں۔ میں بھی انسان ہوں مجھے بھی لمس کی خواہش ہے۔ میرے الفاظ میری تسلی کا سامان نہیں کہاتے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کچھ وقت کے لیے ہتھوڑی ہی دور کر لیں۔

اس گھر میں سب میرے اپنے ہیں سب مجھ سے محبت کرتے ہیں مگر کوئی بھی میرے غم کا شریک نہیں ہے۔ سب خود میں مگن ہیں سب خوشیاں مناتے ہیں۔ توجہ راست تو حوالی میں ہے انکس بھی ہو گا مگر کسی کو کیا پڑی ہے کہ میرے سر پر ٹوٹی ہوئی مصیبت کا دوا کرنا پڑے۔

کھانے کی میز پر بٹے ابانے کس قدر سکون سے مجھ پر لاواؤ آئے ہیں۔

ان حسین گدے پر ہے۔

میری آنکھوں میں دھواؤں پلٹ میں گر گیا اور منہ میں موجود نوالہ حلق میں اٹک کر رہ گیا۔ مجھے کھانا اب میں ساری زندگی نوالہ نگل پاؤں گی یہ چلیں جھپک سکوں گی۔ مگر لفظ تو بھی نوازے اور سانس کی طرح ہی اٹک کر رہ گئے اور میں کچھ بھی دل نہ سکی۔

"حسین دھار اچھ ہے۔ ہمارا خون۔ کب تک باراضی قائم رہی جاسکتی ہے پھر وہ ایک مدت سے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے ہم سے معلق اٹک رہا ہے۔ میں نے سوچا یہی مناسب ہے کہ اسے حوالی آئے کی اجازت دے دی جائے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے نواز؟" بڑے ابانے پر چھا تھا۔

"آپ نے اسے آنے کی اجازت دی ہے تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہو گا۔ نہیں اس فیصلے پر کوئی

اعتراض نہیں ہے۔ غلطیاں تو ہم بڑوں سے بھی ہوتی جایا کرتی ہیں۔ وہ تو پھر پھر تھا اس نے اپنی غلطی تسلیم کی تو یہ بھی اچھی بات ہے۔ جتنی مراد بھگتی تھی بھگت چکا۔ لب کی مناسب ہے کہ کچھ اپنے گھر میں رہے۔

ابانے متانت سے کہا اور میں دنگ رہ گئی۔

ابانے کا کرتے تھے کہ میں دل بن کر ان کے اندر دھڑکتی ہوں تو کیا انہیں یہ خبر نہیں کہ وہ "بچہ" بناتے جاتے ان کی بیٹی کو کسی وحشیہ بخش گیا تھا۔ انہیں خاموش سمجھیں مگر ان کے انداز میں مکمل کی تادیبی جھلک رہی تھی۔

بڑے اباب قادر پچاس سے کچھ کم رہے تھے۔ میں نے صاف محسوس کیا کہ خوشی کی شدت سے ان کی توانا کھپانے لگی تھی اور چہرہ مرشاری سے دیکھ رہا تھا۔

غزالہ چائی کے چہرے پر کرب آمیز خوشی تھی اور ان کی چلیں چلی ہوئی تھیں اور وہ بہت مشکور نظروں سے بڑے اباب کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ کچھ ایسی ہی کیفیت قادر پچاس کی تھی۔ توجہ تک انہوں نے حسین کی حمایت میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا مگر مجھ سمیت اس گھر کا ہر فرد جانتا تھا کہ حسین کی دوری سے وہ اندر ہی اندر سوچتی کی طرح کھل کر ختم ہو رہی ہیں۔

"زہرا نام ٹھیک سے کہا لیں میں رہوں۔" میں نے مجھے نوکارت میں پلٹ پر جھک کر کھانے کی کوشش کرتے لگی مگر میری کوشش بے سود تھی۔ میرا دل بچھا نہیں کھا کھا کر دور رہا تھا۔

اور اس وقت میرے موجود ہر فرد بے انتہا خوش دکھائی دے رہا تھا۔ سب کے سب "آسی" کے بارے میں بات کر رہے تھے مگر کوئی میری جانب نہ دیکھ رہا تھا کہ میں کیا محسوس کر رہی ہوں۔

میں نے سب کی جانب دیکھا سب کی خوشی کا احساس بھڑکے ہوئے لالہ کی تپش کی طرح مجھ تک آیا مگر میری آنکھوں میں گرلائی التجائیں کسی نے نہ

سمجھیں۔

کسی کو میرے دل کا کرب دکھائی نہ دیا۔

کوئی میرے غم میں شریک نہ ہو سکا۔

اور میرا اضطراب بڑھتا چلا گیا۔ میں نے اپنے کمرے تک کا فاصلہ کیسے طے کیا۔ میں نہیں جانتی۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ وہ واپس آ رہا ہے پھر سے میرے صبر کو آزمائے۔ میری برداشت کا انتحان چلے۔

سوچی اور باسی لکشی پر بارش کی کن میں بھی لہند الی رہتا ہے مگر میرے دل کی نشیں کی پیاس آنکھوں سے بہتے چھانچوں چھانچہ سے بھی نہیں بجھتی۔ اس پر پھول نہیں آتے ٹکائے آگئے ہیں۔

اور یہ کاش میرے وجود کو زخمی کر رہے ہیں میرا دود خون میں بہ رہا ہے۔ خدا کے لیے حسین مت آگے۔ میں نے جو صبر کیا وہ میرے حوصلے سے بڑھ کر ہے۔ میں کیسے برداشت کر پاؤں گی۔ خدا کے واسطے مت آگے۔ میں تمہیں کیسے دیکھ پاؤں گی اس کے ساتھ۔

میرے وجود کا ہر حصہ اس کی منتیں کر رہا ہے مگر میں جانتی ہوں وہ نہیں سنے گا اس کی ساتیں تو میں نے اپنے ہاتھوں سے بند کی ہیں۔ وہ کیسے سن سکتا ہے مگر لب تو میری سسکیاں سن رہے ہیں۔ خود سے پہلے۔

ان سسکیوں میں ایک ایسی بھی شامل ہے۔ یہ میرے جسم کی سسکی ہے۔

میرے کمرے کی دیواروں کے ساتھ ساتھ میرا ضمیر بھی میرے راز کا شریک ہے۔ اس نے بھی مجھے ان دیواروں کی طرح دوتے سنگے لمسکیں لیتے دکھائے۔ یہ سنگی نہیں ہے مگر بھی مجھے تسلی نہیں دیتا۔

اس کہنے کو صرف ہنسا آتا ہے۔ لب بھی دیکھیے۔ وہ سامنے کی دیوار سے لگا میری بے بسی پر ہنس رہا ہے۔ ایک دھڑکے بات۔ میرا حصہ ہے مگر کچھ پر خندہ زن آتا ہے۔

آپ جانتے ہیں نا پرانے کرب تاد ہوں تو آنکھیں پٹی ہیں۔ آنکھیں نہیں تو راتیں جاتی ہیں اور میری راتیں تو دنوں سے جاگ رہی ہیں۔



بچھو دیا ہے۔

پانچ سال پہلے کی وہ صبح بڑی خوبصورت تھی۔ پانچ سال پہلے کی ہر صبح مجھے خوبصورت لگا کرتی تھی۔

لادس کی ہی یادیں تھیں تو میری آنکھوں میں اب اتنی

جھلک۔

مگر اس صبح کا ہر لمحہ صدی پر حاوی معلوم ہوا تھا۔ چونکہ اس دور میں میں نے انتظار سے بڑا کرب نہیں جھیلا تھا۔ سو انتظار ہی میری سب سے بڑی لذت تھا۔ ایک ایسی لذت جس میں امید کی شفاں ساتھ ساتھ جلتی ہے جو تکیہ جلتی ہے۔ ہاوی نہیں۔

ابھی آخر مسئلہ کیا ہے۔ کیا آج فرس کھس ڈالنے کا ارادہ ہے؟

میں غالباً "ہاسل کے مین گیت نکسوسوں پتھر لگا کر کمرے میں واپس آئی تھی۔ جب سحر نے میری بے چینی محسوس کرتے ہوئے نوک ای دیا۔ میں کھسیا کر ہنس دی۔

"جس بو نہی۔" سحر ملان پیک کرتے ہوئے معنی فیزی سے مسکرا دی تھی کہ رہی ہو۔ "ہم سب سمجھتے ہیں جناب۔"

یہ لکھا ہوا تو میں کب سے اس کے چہرے پر دیکھ رہی تھی میں جانتی تھی کہ وہ میری بے چینیوں سے بلوائف نہیں ہے۔ محبت حد سے بڑھنے لگے تو خوشبو کی طرح بکھر کر پھیل جاتی ہے۔ سحر تو پھر بھی میری بہترین ہم بولی تھی جس طرح اس کے دل کی روشنی میری آنکھوں تک پہنچی ہوئی تھی ٹھیک اسی طرح وہ بھی مجھے حریف جانتی تھی۔ یہ انگہ بات ہے کہ میں نے توجہ تک اس کے سامنے اعتراف نہیں کیا تھا۔

"تم نے ڈیپارٹمنٹ نہیں جانے۔ پل کلاس تو شروع ہو چکی ہو گی۔"

الہادی سے کچھ نکالتے ہوئے وہ پھر سنجیدگی سے مجھے چارہئی تھی۔ میں جب تیار ہو رہی تھی تو میں نے اس سے یہی کہا تھا کہ مجھے ڈیپارٹمنٹ جانا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ مجھے تو اس کا



استقبال کرنا تھا، سوائی جلدی میں کیسے جاسکتی تھی۔  
 "تو ہوا تسماری طہیحت تو ٹھیک ہے" میں سوال  
 کرتی ہوں تو جواب دس منٹ بعد آیا ہے۔ آخر چکر  
 کیا ہے؟

وہ میری ہے تو جی پر تو کئی میرے بالکل سامنے  
 آ رہی تھی اور بغور مجھے دیکھنے لگی تھی۔ اس کے اس  
 طرح اپنا محاذ کر کے پرش نہیں دی۔  
 "ہی میری طہیحت بالکل ٹھیک ہے مگر مجھے کچھ  
 بے چینی سی محسوس ہو رہی ہے۔ آج موسم بہت  
 خراب ہے۔"

سحر نے تجب سے مجھ کو دیکھا پھر بالکلنی سے نظر  
 آتے آسمان پر ایک واضح نظر ڈالی۔

"موسم نہیں اصل میں تسمارا جان خراب ہے۔  
 اچھا خاصا موسم خراب ہو گیا۔" وہ مجھے لٹاؤنے لگی۔  
 میں نے بھی باہر تھاں کا۔ آسمان پر سرخی سے بادلوں کا  
 ہکا دھواں تھا۔

"سحر اگر بارش ہو گئی تو۔" میں نے خدشہ ظاہر کیا  
 تو وہ سانس سے بولی۔

"ہر سانس کے موسم میں بارش ہی ہوتی ہے میری  
 جان" تو نہیں چلتی۔ "میں چڑ گئی۔ آخر وہ میری بے  
 چینی سمجھ کر نہیں رہی۔

"اتوار یونٹنگ موسم ہو رہا ہے۔ کاش ہا حسنین کے  
 بھائے مجھے واکس لینے آ رہا ہوتا۔" وہ لٹھڑی تو بھر کر  
 بولی۔ میں حدودانہ کھول کر باہر نکلنے لگی تو کچھ سوچ کر اس  
 سے پوچھا۔

"حسین نے کتنے بچے آنے کا کہا تھا؟"  
 "کہا تو بچے کا تھا مگر میرا خیال ہے سناؤں سے تو تو ہو  
 ہی جائیں گے۔"

میں نے ریٹ واپس پر نگہ ڈالی۔ ابھی تو تو جیتے میں  
 تو تھا کہ نہ ہلتی تھا۔ میں کچھ بد دل سی ہو کر باہر نکل  
 آئی۔

سحر نے درست کہا تھا اچھا خاصا موسم تھا۔ میں  
 انتظار کی سٹی پر نہ آئی ہوئی تو جی بھر کر موسم کی  
 خوبصورتی کو محسوس کرتی مگر اس وقت مجھے اس موسم

میں ذرا بھی خوبصورتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔  
 وہی درخت، وہی جام و فوں میں آتے جاتے دکھائی دے  
 کرتے تھے، اب بھی دکھائی دے رہے تھے۔ فرق  
 صرف یہ تھا کہ مسلسل رستے والی بارشوں کے نتیجے میں  
 صاف ستھرے ہو گئے تھے۔

آسمان پر ویسے ہی ہلکی تھے جو روز آتے "خوب جم کر  
 برستے اور چلے جاتے۔"

پائسل کے کیٹ سے لڑکیاں آجاری تھیں۔ بس  
 وہی نہیں آ رہا تھا جس کے انتظار نے میری پیروں سے  
 پکرنا بند ہو گیا تھا۔

حسین کا قلم اعظم یونور شئی سے کیمشری میں ایم  
 فل کر رہا تھا جبکہ میں اور سحر اور میں زیر تعلیم تھے۔  
 جب میں نے لی اسے کیا تو میں بھی کا قلم اعظم یونور شئی  
 میں ایڈیشن لینا چاہتی تھی اور گھر میں کسی کو میرے  
 اس درختان پر اعتراض بھی نہیں تھا۔ فیوئل بیک  
 گراؤنڈ کے بلکہ خود ہمارے خاندان میں پڑھائی کا رواج  
 تھا۔ بڑے ابا تک نے انگریزی میں ایم اے کر رکھا  
 تھا۔

میرا ارادہ کا قلم اعظم یونور شئی سے نفیات میں ایم  
 ایس سی کرنے کا تھا مگر سحر کی وجہ سے مجھے پنجاب  
 یونور شئی میں ایڈیشن لینا پڑا۔ اس کا بھرجیج جھٹ  
 ہسٹری تھا اور میوٹ میں بھی اس کا نام نہیں آ رہا تھا۔

ہمارا لگاؤں ساہیوال سے دس منٹ کی ڈرائیو پر شیل  
 کی جانب تھا۔ یوں ہم دونوں لڑکیوں کا آنا جانا حسنین  
 کے ساتھ ہی ہوتا تھا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ وہ اس  
 فیس واری سے گھبراتا بھی نہیں تھا اور یہی خوش  
 اسلوبی سے یہ فیس واری بھائے جا رہا تھا۔ (زم دار یوں  
 سے پہلو تھی کرنے والے حسنین قلندر کی اس ادا میں  
 کوئی تو ایسی بات تھی جو میری نصرت کا باعث بنتی  
 تھی۔)

ایسا نہیں ہے کہ وہ احساس میرے اندر اس سفر کے  
 دوران پر دلان چڑھا بلکہ میں خود بھی اس لمحے کی  
 کارگزاری سے غواقت ہوں۔ جب حسنین کی چاہنے  
 میرے اندر نقب لگائی غالباً اس احساس کا سلسلہ تو

بچپن کی معصومیت سے بڑا تھا۔ بچپن کی دوستی کب  
 محبت میں بدل جاتی ہے خبر ہی نہ ہو سکتی۔

وہ خاندان بھر میں میرا واحد ہم عمر اور دوست تھا مگر  
 اپنی غیر معمولی ذہانت کی بنا پر ہمیشہ تعلیمی میدان میں وہ  
 قدم آگے رکھتا۔ جن دنوں میں نے لی اسے میں ایڈیشن  
 لیا وہ ایم ایس سی کرنے اسلام آباد چلا گیا۔

اس کی غیر موجودگی میں میں بھی بھٹلائی بے چین  
 ہوتی اور کوئی لمحہ ہاتھ آگے نہ بٹھا کر پر آشرف کر کے چٹا  
 بنا۔

میں کئی دن تجب میں جٹا رہی اور پھر مجھ پر میری  
 ہی لگاؤں کی دوستی واضح ہوئی چلی گئی۔

مجھ جیسے لوگ خسرو صاحب لڑکیاں علما اس دے پر  
 ملنے کی قائل ہوتی ہیں جو ان کے لیے دل بٹاتا ہے۔ وہ  
 دل کی سنتی ہیں اور اس کے فریاد پر ہمیشہ لبیک کہتی ہیں  
 اور میں لبیک کیوں نہ کہتی۔ حسنین میں آخر کی ہی گیا  
 تھی۔

میں نہیں جانتی تھی کہ اس کے دل میں میری کیا  
 حیثیت ہے مگر میرا دل خوش قسم ہر بار میرے آگے  
 سے امید باندھتا تھا کہ وہ نہ ہو حسنین قلندر کے دل  
 میں میرے ہی نام کی شرح چلتی ہے۔

بھرجیج امیہ ہو تو محبت بڑھتی ہی رہتی ہے سو میری  
 بھی یہی کیفیت تھی۔ ہر گز راتوں میری محبت کو پسے  
 سے شدید کر رہا تھا۔

ایک دم لٹھڑی ہوا کا نام جھونکا آیا اور مجھے جھو کر چلا  
 گیا۔ یہ پٹلا جھونکا تھا جس کی تراوٹ کو میں نے  
 محسوس کیا۔ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر حسنین کی  
 لٹھڑی گزرد رہی تھی۔ وہ اسکرین سے وہ مجھے دیکھ کر  
 مسکرایا۔ وہی اس کی بے انتہا پرکشش مسکراہٹ۔  
 چونکہ اس کے چہرے پر سنجیدگی کا عنصر نمایاں تھا اس  
 لیے مسکراہٹ بہت سبکی معلوم ہوتی تھی۔

میری بے چینی کے سیکٹے کو کلوں پر لٹھڑے جھٹنے  
 آگے اور میں پر سکون ہو کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔  
 وہ دروازہ کھول کر میری طرف آیا تھا۔  
 "کیسے ہو؟" میری نگاہیں اس کے چہرے کا طواف

کر رہی تھیں۔  
 "تمہارے سامنے ہوں۔" وہ پھر مسکرایا اور ہنسی  
 پر تمکس سانس بچھڑے بند دروازے سے لپک لگا کر کھڑا  
 ہو گیا۔

وہ بہت زیادہ تھا ہوا الگ رہا تھا۔ میرے دل نے  
 عجیب خواہش کی کہ اس کی فراخ پیشانی پر اپنی پھیلی  
 رکھ کر ساری مشکل سمیٹ لوں۔

دل میں چورت ہو تو غلابا میں ایسا کر بھی گزرتی مگر  
 موقع تھا نہ مقام۔ جلب آڑے آیا اور میں دل  
 مسوس کر رہ گئی۔

"تمہارے لیے چائے لائوں۔" میں نے اس سے  
 پوچھا۔

"نہیں" میں اب تو حویلی جا کر ایک ہی بار چائے  
 نہیں گئے۔ "وہ میری طرف دیکھنے لگا اور میں سر جھکا کر  
 اپنے بائیں میں چپے اس کے نام کو۔ میں کسی اور کی  
 کیفیت نہیں جانتی صرف اپنا پتا ہے کہ جب محبت  
 غالب ہو رہی ہو اور اظہار کا لمحہ نامعلوم فاصلے پر تو وہ  
 دوستوں کے بائیں بھی بات بے بات خاموشی وارو  
 ہونے لگتی ہے۔"

سحر آئی اور حسنین کو دیکھ کر اپنا بیک لینے چلی گئی۔  
 "ایسا مطلب ہے تم ہمارے ساتھ نہیں چل رہی  
 رہو؟" اس نے تجب سے پوچھا۔ میں نے لی میں  
 گھٹان پلا دی۔

"سانسٹ جمع کروانی ہے ان دو جھپٹوں میں گھر  
 چلی گئی تو یہ کام میں ٹھنڈا سکوں گی۔" میں نے غدر متایا  
 تو اس کے چہرے پر ہلکی سی چھائی۔

چچ کہتی ہوں تو زندگی میں ایسے بہت کم لمحات آتے  
 ہیں جب کسی کی مایوسی آپ کی خوشی کا سبب بنتی ہے۔  
 وہ لمحہ میرے لیے ایسا ہی خوش کن تھا۔ اس کی مایوسی  
 میری محبت کے حق میں تھی۔ یعنی وہ اس خیال سے  
 باخبر ہے کہ یہ چھٹیاں میں اس کے ساتھ حویلی میں  
 نہیں رہوں گی۔

"جب میں گھر ہوا تو اہل تو میرا دل چاہتا ہے۔ مگر  
 کافر فرد گھر میں موجود ہو گئی ایک بھی نہ ہو تو مجھے اچھا



وہ کہہ رہا تھا اور میں اپنی ٹولہ پر ہنس رہی۔  
 "سے دل خوش ہے، اجیرانہ 'اعتق' اتنی ہی دیر میں  
 کیا کیا سوچ ڈالا۔ تو مجھے کمر کا ایک فرو بھتا ہے گویا  
 کوئی انفرادی حیثیت نہیں جیسے سب لوگ 'فکسی' ہی  
 میں۔"  
 "کیا ہوا۔ تمہیں نہیں کیوں رہی ہو؟"  
 "چچو نہیں 'نہیں' پونہ۔ مگر میں سب کو سلام  
 کہتا۔"

"ہوں۔" پھر سرسری سے انداز میں میری ٹھوڑی  
 کی طرف اشارہ کر کے بولا۔  
 "تیرا کیا ہوا ہے؟" میں چونکی۔ ہاتھ بے اختیار  
 ٹھوڑی تک چلا گیا۔  
 "کیا؟" "نہیں۔" میں جھک کر گاڑی کے بیک  
 مرد میں دیکھنے لگی۔  
 ٹھوڑی پر نہایت ہلکی سی خراش تھی جو بہت غور  
 سے دیکھنے پر دکھائی دیتی تھی۔  
 "پر سوں ہاتھ لگ گیا تھا۔" میں نے بتایا توں ٹھٹ  
 کر بولا۔

"چچو! اس کی طرح ہاتھ بڑھا رکھے ہیں، لگتا تو تھا  
 ہی۔ ابھی جا کر اس غصے کو کھو۔" میں برس برس  
 منہ ہلانے لگی۔ وہ ہمیشہ میرے ہاتھ بڑھانے کے شوق  
 سے پڑتا تھا۔ حوصلے میں تو دیکھنے کو بہت تھے البتہ  
 ہاتھ میں نہیں اپنا یہ شوق خوب پورا کر رہی تھی۔  
 سحر کو میں نے خوب زور سے گلے لگا کر خدا حافظ کہا  
 اور خالد جیلن کو سلام بھجوا دیا پھر حسنین کو احتیاط سے  
 ڈرائیو کرنے کی ہانک دی۔ میں 'بب' اس نے اپنا  
 مضبوط ہاتھ مصافحہ کے لیے میرے سامنے کر دیا۔ یہ  
 معمول کی دشمنی تھی۔

اس نے میرے بازو کا ہاتھ کو بہت زور سے دبا دیا۔  
 میں جج اٹھی۔ اس کے مضبوط ہاتھ کا لگا سا جو میرے  
 ہاتھ کے لیے بہت ثابت ہو تا تھا مگر وہ ہمیشہ پونہی کرتا  
 تھا۔  
 لب بھی ہتھے ہوئے دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے

"ابھی فوراً" جا کر باغیچہ کاٹ لے تا ورنہ وہ سرے کل  
 پر بھی لگ جائے گا۔"  
 "کل ہے چھوڑی حسنین، فوراً تم نے میری  
 ٹھوڑی پر ایسی معمولی خراش تو دی کہ دل جو اب ہتھے کو ہے  
 مگر میری آنکھوں میں نہایت کا جلی نہیں دیکھا۔ کیا  
 بات ہے تمہاری ذہن رکھ گئی کی۔"  
 ہاتھ تراشتے ہوئے میں مسلسل سوچ رہی تھی۔



سحر وہیں آئی مگر تھا نہیں تھی بلکہ کسی کی بے  
 اعتنائی کی شکایت میں ساتھ ہی لے آئی تھی۔  
 "اسے کوئی جوس دے دیو پلو۔ آؤ۔ چپاری نے آواخون  
 تو وہ دو حوکر خشک کر لیا ہے۔"  
 حسنین ہی اسے چھوڑنے آیا تھا اور شرارت سے  
 ہانک رہا تھا۔ سحر نے روٹی روٹی آنکھوں سے بہت  
 فٹکی سے اسے دیکھا تو وہ ہتھے ہوئے گاڑی بھاگے  
 گیا۔  
 "پتا تو ملے آخر وہ کیا ہے؟"

اس کی آنکھوں میں تیزی سے اڑتے آنسوؤں کو  
 دیکھ کر میں نے تھک کر پوچھا۔ سحر نے کوہ کھانا تو۔  
 میرے گلے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ میری  
 پوزیشن بگڑ گئی۔ آتی جاتی لڑکیاں ہمیں عجیب آنکھوں  
 سے دیکھ رہی تھیں۔ کچھ تو اصل صورت حال جاننے  
 کے لیے قریب بھی رہ کر تھیں۔  
 میں جیسے تیسے اسے سمجھا بھا کر کمرے میں لے  
 آئی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے۔ بس دماغ خراب ہوا تھا کہ  
 وقاس جیسے پھر دل سے دل لگا لگی۔" وہ روتے روتے  
 واٹس روم کی جانب چل دی اور مجھے ساری بات سمجھ  
 آ گئی۔

سحر بہت معصوم بلکہ کسی حد تک بے وقوف سی  
 لڑکی تھی۔ بہت ساری باتیں جو ہماری عمر کے لوگ  
 سمجھ لیا کرتے تھے وہ اسے تفصیل سے سمجھنا پڑتی

تھیں۔ اور اصل مسئلہ یہ تھا کہ اس نے وقاس جیسے  
 پھر طے سے صرف دل ہی نہیں لگایا تھا۔ بلکہ اس کے  
 نام کی انگوٹھی بھی پسینہ لگی تھی۔ اس رشتے میں پہلے  
 بزرگوں کی مرضی شامل ہوتی پھر ملی واریات کا عمل  
 دخل شامل ہوا۔ اپنی معصومیت کے باعث اس نے  
 وقاس سے کچھ زیادہ ہی توقعات وابستہ کر لی تھیں۔ وہ  
 ہر وقت نہ تو اس کی تقریریں کر سکتا تھا اور نہ ہی ہر وقت  
 اس کے گلے سے لگ کر کٹھنہ سکتا تھا۔

میں کئی بار یہ بات سحر کو سمجھا چکی تھی نہ ہر بار سمجھ  
 کر میری منظور ہو جاتی تھی۔ مگر کچھ دنوں بعد یہ بات  
 پھر اس کے ذہن سے محو ہو جاتی تھی اور وہ پھر سے  
 وقاس سے شکوہ ٹھنک دیکھتی رہنے لگتی تھی۔  
 سحر کے پر س میں دکھا مویا کل بیٹھے لگا تھا۔ ہم  
 دونوں کے پاس ایک ہی مویا کھانے کے لیے میں نے  
 بلا جھجک اس کا پرس کھول کر مویا کھانے نکال لیا۔ اس  
 نے اسکرین پر وقاس بھائی کا نمبر جھکڑا تھا۔ میرے  
 لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایسا خیال رکھنے والا  
 "پھر ملے" ہر ایک کو تمہارا ہی ملا کر رہا ہے۔  
 "السلام علیکم۔" زہو بات کر رہی ہوں۔

میں نے فوراً "ہی" بتا دیا۔ اس کا دیکھ کر سحر  
 بھی نوعیت کی دوہلاہٹ آنکھوں میں نمودار ہوئی۔ میری  
 شرارت سمجھ کر وہ ہنس پڑے تھے۔ "میں سمجھتی تھی  
 ہوئے۔"

"بہت اچھی طرح سے پہچانتا ہوں حسنین۔"  
 "اور آپ نے میری ہی چیز بہت معلوم کرنے کے  
 لیے خون کیا ہو گا؟"  
 میں پھر شرارت سے گویا ہوئی۔ وہ چہرے خاموش  
 رہے پھر فٹکتے ہوئے لہجے میں جانا کر بولے۔

"زہو! ہلی یا مجبور وہ بے بسوں کے ساتھ مذاق کرنا  
 نہایت ہی غلط بات ہے۔" میرا قبضہ چھوٹ گیا۔  
 "انکھا! جس دن آپ کی سسکی۔؟" انہوں نے پوچھا  
 تو میں مزید تنگ کرنے لگی۔

"میری سسکی آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ اس  
 نے ابھی ابھی مجھ سے کہا ہے کہ وہ اب ساری زندگی

تپ سے بات نہیں کرے گی۔" میرا لہجہ جھمکھو شریر  
 تھا۔

"اگرے تو آپ کو بچ میں ڈالا ہی کس لیے ہے۔ ذرا  
 جلدی سے اپنی سسکی کو ہم سے بات کرنے کے لیے  
 آگیا کرو۔" بانی زندگی کی خبر پہ ویسے بھی سنا ہے وہ شوہر  
 رہا کا خوش قسمت ترین شوہر ہوتا ہے جس کی بیوی  
 قوت گویائی سے محروم ہے۔"  
 "بہت غلط بات ہے" وقاس بھائی! آپ میری  
 سسکی کو بہت ستاتے ہیں۔"

"بی اللال تو تم مجھے ستا رہی ہو۔! احسن لڑکی!  
 جلدی سے بات کرو! وہ حسنین ذرا بھی انداز نہیں ہے  
 کہ اس کی فٹکی کے خیال سے میں کی روٹھیاں کھ کر  
 رکھی ہیں۔"

میں جو ہنستا شروع ہوئی تو پھر ہنستی ہی چلی گئی۔ سحر  
 نے اندر آکر مجھے خوب سے دیکھا۔ میں نے مویا کھانے  
 اس کی طرف بڑھلایا۔  
 "لو بات کر لے۔" اس نے بے ساختہ ہاتھ پر بھریا۔  
 پھر دیکھ کر سحر کو سچا طور پر پھیر لیا۔  
 "بھئی بہت نہیں کرنا۔"

"لوئی۔ اسے کہتے ہیں محبت۔ بات مجھ سے  
 ہو رہی تھی، خوشبو توپ تک پہنچ بھی گئی۔" میں نے  
 زہو بتی اس کے ہاتھ میں مویا کھانے چھلایا۔  
 "انہوں نے پہل کی ہے، پلو! مجھی پیچوں کی طرح  
 بات کرو۔"

اس نے میری جانب فٹکی سے دیکھا، پھر دیر سے  
 سے مسکرائی اور آنکھوں میں کی لیے کرے سے باہر  
 نکل گئی۔

میں نے پرسکون ہو کر اس کے سہلانے کا ایک  
 ٹھکانے لگایا اور پلنگ پر لیٹ گئی۔ مجھے پتا تھا سحر اب  
 بہت دیر بعد کمرے میں واپس آئے گی۔ وقاس بھائی  
 سے بات کرتے ہوئے وہ وقت بھول جایا کرتی تھی۔  
 میرا ذہن اور حواس کو حیرت سے ہٹاتے ہوئے "زندگی" کی جانب  
 مرکب۔ اس کا اپنا ہی مزاج تھا اپنا ہی انداز۔ لاڈ لکھوانے  
 پر آمنا تو اس سے بڑھ کر کوئی اور سڑی نہ پچتا اور لاڈ



اٹھائے پر آتا تو دوسرے کو آہٹیں پر پہنچا دیتا۔

چار بھائیوں میں سب سے چھوٹے ابراہیم زادہ تھے اور ابراہیم زادہ کے دس سال بعد وہ دنیا میں آیا۔ ہم دونوں کی معمول میں بس چند لمحوں کی فرق تھا۔ مجھ سے پہلے میرے محل باب کے دو بچے لومو لو کی میں خدا کے پاس واپس جانے کے تھے اس لیے میری پرورش یوں کی گئی جیسے کوئی پھیلی کے چھالے کو سنبھالنا ہے وہ جو باقرا میں اٹھو لی۔

ہم دونوں کو پروان چڑھنے کے لیے کوشش ایک سا ماحول ملا اور ہم دونوں نے بزرگوں کے بارگاہ خوب خوب سیکھا اور دوستی کے رشتے میں مقید ہوئے وہ کافی حیرت انگیز اور ذہین اسکول تو ہم ایسے ہی جانتے تھے مگر محدود دو گلاس آگے بڑھ گیا مگر ہماری دوستی جوں کی توں قائم رہی۔

ایک سے ماحول اور بھتیجی کی فراوانی کا ہم دونوں پر قدرے مختلف اثر ہوا۔ میری کچھ بوجھ ہمیشہ فرست کاہور اخلاص کا کل تھا جب کہ حسنین میں کچھ خود سری تھی اور چلنے کیا تھا اس خود سری میں کہ میری بلکس اس کے ہر قدم پر سجدہ کرنے کو تیار رہتی تھیں۔

عموماً میرا اور سحر کا تعلق کیا جاتا ہے بڑی خالہ کے بچوں میں میری ہم عمر تھی۔ دوسرے سارے بہن بھائیوں کی موجودگی میں اس کی شخصیت ٹھیک سے ابھرنے لگی تھی سو زیادہ لوگوں میں کچھ گہرائی ہوئی رہتی حقیقتاً بونکی مشہور تھی۔ خاندان بھر میں میری اس سے دوستی ہوں ہوئی کہ ہم ہم عمر ہونے کے ساتھ ہی ایک ہی اسکول اور گلاس میں زیر تعلیم تھیں۔ خالہ کا گھر ساہیوال میں تھا۔ پہلے اباں میرے کہنے پر سحر کو جو علی لے آئی تھیں۔ دوسرے دھیرے دھیرے سحر کی اپنی مرضی بھی شامل ہونے لگی اور یوں وہ زیادہ تر ہمارے محل ہی پائی جاتی۔

پہلے میری اور حسنین کی دوستی جو علی میں مشہور تھی پھر اس شہرت میں سحر بھی شامل ہوئی پہلی گئی۔ اور یوں ہم تینوں بہترین دوست بن گئے۔ بلکہ یوں کہنا

مناسب رہے گا کہ ہم تینوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہو گئے۔

سحر کا آٹا جاتا تو کافی دیر تھا، ایسی ہی کسی ملاقات میں وہ پچھو کو اپنے سینے یعنی دھاس مائی کے لیے پسند آگئی۔ یوں سلسلہ دراز ہو تا ہی چلا گیا۔

سحر جس وقت واپس کرے میں آگئی میں ہیند کی وادی میں اترنے کو تھی مگر پیش کی طرح کسی بھی بات کی پروا کیے بغیر مجھ سے لپٹ گئی تھی۔

"میں بتا نہیں سکتی کہ میں کتنی خوش ہوں۔"

اس نے کھٹکھٹاتے لیے میں کہا اور اپنی خوشی کی خوشی میں میرے لیے چائے بنانے لگی۔ کچھ پلانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس کے چہرے پر چلنے والے رنگوں نے مجھ سے ساری دکایت بیان کر دی تھی۔

میں ہستہر لکھی بیسوت سی اسے دیکھنے لگی۔

یہ صرف میں جانتی ہوں کہ اس وقت مجھے کس قدر رشک آ رہا تھا۔ وہ بہت عام شکل و صورت کی لڑکی تھی مگر محبت کے احساس میں محصور ہو کر بے حد خواہش و کمال دیکھنے لگتی تھی۔

مجھے اکثر یہ خیال آتا تھا کہ جب اس عام سی لڑکی کو افسار کے چند بول حسنین بنا دیتے ہیں تو افسار کا پاملا ہو جھجھ کر کیا قسمت و حال کا اور میرا دوسرا دواں اس لئے کے انتظار میں رہتا ہوں۔



ایک طرف محبت میں کوئی وقت لیا بھی آتا ہے جب انسان چاہئے چاہے جلنے کی تڑپ میں جھٹکا ہو جانا ہے۔

ان دونوں میں کچھ ایسی ہی احساسات کا شکار تھی۔ جو لوگ محبت میں افسار کے قائل نہیں ہوتے وہ جانتے کیسے زندگی گزار لیتے ہیں۔ میں تو جھٹکنے لگی تھی۔ دل چاہئے نہ تھا کہ انھوں نے صرف ایک بار میرا ہاتھ تمام کر مجھے افسار کی بارش میں بھگو ڈالے۔ میں خود کو ہوا میں اڑتا محسوس کرنا چاہتی تھی۔

میرے لیے اس کی اپنائیت اس کی توجہ اس کی

دوستی کم ہونے لگی تھی یا شاید میرے نزدیک یہ چیزیں اہم ہوتے ہوئے بھی اپنی قدر کھو رہی تھیں۔ میں افسار چاہتی تھی۔ نہیں نہیں افسار۔

شاید میں ہمیشہ سے افسار کی بھوکی رہی تھی۔ اور ابراہیم زادہ کی شادی کی وراثت کسی انمول خزانے کی مانند میرے حانطے میں محفوظ ہے۔

ہم سب گزرتی جھجھکتے ہوئے چھوٹے سب۔ جب کسی نے حسنین کی شادی کا شوہر چھوڑ دیا۔

"اوسے کیوں نہیں دیکھتا" میں اپنے لال کے لیے چاند سی داسن ملاؤں کی۔ "غیر لال چاہتی ہے مست لال سے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے جیسی نظروں سے میری جانب دیکھتا تھا وہ وہاں موجود ہر شخص کو بہت کچھ سمجھا نہیں۔ اور میں۔ مجھ سے اپنا دل سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

"کچھ بھول کے مائی جان! میرا خیال ہے لال کے ساتھ چاند کا منظر کچھ بچے کا نہیں۔" جانے کس نے کہا۔ ایک قہقہہ بلند ہوا۔

"کیوں نہیں بچے کا بھی اہم چاند کو بھی اپنے ہی رنگ میں رنگتے ہیں۔"

"یہ تو انب شوقی و تبسم میری بھیلیوں میں بیٹہ اتر آیا۔ دل چاہا اس اک نظر اسے دیکھوں۔

وہ اپنی دلکش اسکر اپٹ سمیت یعنی خیر نگاہوں سے مجھے تنگ رہا تھا۔

میرے دل کی دھڑکن کچھ اور بے ہنگم ہوئی تھی۔ پکوں پر اس کی نگاہوں کی چٹش آن ٹھہری تھی۔

پھر کچھ سے زیادہ دیر وہاں ٹھہرا نہیں گیا اور میں اپنے کمرے میں آگئی۔ دیر تک خود کو تکیے میں دیکھتی رہی۔ اپنے روپ سروپ کی تعریفیں میں نے پہلے ہی سنی تھیں۔ آج بھی ہر ایک نے مجھے سراہا تھا۔ مگر اس بل کی توجہ ہی فرانی تھی۔ افسار کی اس پہلی نظر نے میرے دھوم دھوم کردوشن کر ڈالا تھا۔

انسان جب محبت کر رہا ہو تو اس کے پیر زمین پر ہوتے ہیں۔ مگر جب وہ محبت کے جانے کے احساس میں مبتلا ہو تو وہ آسمان پر پہنچ جاتا ہے۔ میں بھی

ایک ہی دست میں زمین سے آسمان تک کا فاصلہ طے کر گئی تھی۔

"عشق رے عشق! اجیری خیر ہو۔"

ایک ہی رات میں میرے دامن کو کس قدر بھر دیا۔

وہ رات میری زندگی کی تمام راتوں میں یادگار بن گئی تھی۔



میں شاولیہ درختوں کی جیسے جاری تھی۔ وہاں خواب جنمیں دیکھتے ہوئے پہلے میں کھڑا چلا کرتی تھی اور خود کو ٹوٹ دیا کرتی تھی کہ میں ان خوابوں کی گرجیاں ہی نہ چٹکی پڑ جاؤں۔ مگر اب وہاں خواب میں بڑے شوق اور چاہ سے بننے لگی تھی۔ بھول کر بھی کوئی خوف میرے قریب نہیں آیا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک طرف محبت تھیں ہوتے پانی کی سی ہوتی ہے۔ جس میں بہنور نہیں اٹھتے۔ سلاب نہیں آتا۔ پس ہوا کی ترش روی سے لرس اٹھتی ہیں۔ اور اگلے قدم پر ہر سکون ہو جاتی ہیں۔

یہ طرف محبت مد ایک طرف ہونے کا افسار۔ جیسے تو وقت اپنی نشانی کے طور پر اس کی سطر کلکی ضرور چلاتا ہے۔ سحر گائی کی اس تہ کے نیچے پانی کا احساس بھی نہیں جاتا۔

جب کہ وہ طرف محبت سچی ہوئی نہ ہی بن جاتی ہے۔ جس کے سوا میں بھی طغیانی آتی ہے، بھی دواں نہ بھی ٹھہرا تو بھی سکون۔ اس چوٹیشن میں طرفین کا اعلق بہت متوازن ہوتا ہے۔ کوئی محبوب وہاں نہ محبت کر رہا ہوں محبوب بھی ہوتے ہیں اور محبت بھی۔ یوں تراند کے پازے برابر ہونے سے زندگی کم جاتی ہے۔

میں کس اسٹیج پر تھی میں نہیں جانتی میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ ہرگز رستہ دان کے ساتھ میری محبت میری انگلی پکڑ کر مجھے شدت کی ایک اور میٹر می عبور کرا دیتی تھی۔







تھی۔ میں نے ان کی محفلوں میں شریک ہونا بھی چھوڑ دیا۔

اپنی وحشتوں سے گھبرا کر خدا کے سامنے سر بسجود ہو جاتی تو ہاتھ دعا کے لیے پھیل جاتے۔  
”اے اللہ! اسے کوئی ایسا تم دے دے کہ وہ دیوانہوں سے سرگراں پھرے پر سکون نہ پائے۔ وہ بھی میری طرح تڑپے تو جائے کہ گھمراے جانے کی تڑپ کیا ہوتی ہے۔“

میری ہر دعا اس کی برابری و ناشدنی کی غما سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہونے لگی۔ جانے کیوں میرے دل کو یقین تھا اس کی تڑپ میں میرا سکون پوشیدہ ہے۔ اس روز ٹانگی بارش ہو رہی تھی۔ یوں تو میری لا تعلقی کی بنا پر تو دونوں نے مجھے اپنی محفل میں شریک کرنا تقریباً ختم ہی کر دیا تھا مگر اس روز سحر مجھے زبردستی بلانے آئی۔

”بھئی! تماری زہر تو لاہور میں ہی رہ گئی۔ یہ والی تو کوئی اور ہی زہر ہے۔“ وہ مجھے دیکھتے ہی بولا۔ مجھے ٹھوڑی کا زخم پھر یاد آیا۔

”مجھے چھوڑ دو اپنی گھر۔ کیسی ہے تمہاری۔“ وہ  
”کبھی تم نے اس کا نام ہی نہیں بنایا۔“ سوال خود بخود میرے لبوں سے پھسل گیا۔

”اصل بات یہ ہے زہر تو! محبت کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ آپ اسے جس مرضی نام سے پکاریں۔“ وہ  
گہری سانس بھر کر کسی پر پھیل کر بیٹھ گیا تھا۔  
سحر خیز تھی۔

”تمہارے کیا کہہ کر پڑتے ہو؟“  
”دوستی۔ تمنا۔ زندگی۔“

اس کے چہرے پر الوہی سی چمک تھی مجھے میں ٹھنک۔ میری آنکھوں میں دھند چھلنے لگی۔ تو رخ پھیر کر فوارے کی منڈیر پر دھری ٹنگریاں پانی میں اچھالنے لگی۔

”میں نے اس کے لیے پیاس بجھوایا ہے۔ تم دونوں دعا کرنا کہ وہ راضی ہو جائے۔ کم محبت بہت اڑیل ہے۔“

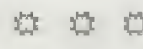
اس کے لہجے میں شکایت تھی اور محبت کی بے بسی۔

پانی میں ٹنگریاں اچھالنے میں نے چونک کر اسے دیکھا تو سر گھٹائے ہوئے کی نو سے نکلاں کر رہا تھا۔ ایک دھل کر فوٹو کھائی دیتے لگا تھا۔ میرے لبوں پر اس سبز ایشی مسکراہٹ گھر گئی۔

”میں نے خود کو اب تک تمہارے حق میں یہ دلیل دی تھی کہ تم میری کیفیت سے انجان تھے۔ جو ہوا ہے خبری میں وہ انہر کوئی خود عشق کا لالہ بن کر دیک رہا ہو اور اسے کسی دوسرے کے راکھ ہو جانے کی خبر تک نہ ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ تم جھوٹے ہو۔ دھوکے باز ہو۔ جانتے پوچھتے میرے دل کی دنیا اجاڑ کر کہیں اور رنگ نکھیرے ہیں تم نے۔ دیکھنا ختم بھی خوش نہیں رہ سکو گے۔ تم اور وہ تہماری ہوتی سولی۔ اسی آگ میں جل مو گے اور بھی سکون نہ پاؤ گے۔“

وہ کی جھل پھر کو سنوں پر اڑ آیا تھا۔  
میری عجیب کیفیت تھی۔

ہر روز جو وہ منہ مسکراتا دکھائی دیتا وہ گویا میری نفس اڑاتا تھا۔ بظاہر میں پر سکون تھی۔ مگر ذات کا احساس میرے اندر زہریں کر پھیل رہا تھا۔ میں سر نہا نفرت خیز جاری تھی۔



”آپ نے بھی محبت کی ہے۔ کیا آپ کبھی ٹھکرائے گئے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی خوابوں کی گردیاں چھنے کا جذبہ ساسا ہے؟“

”جو پھر آپ کیا جانیں کہ میں ہر پناہ کن انگڑوں پر چل رہی تھی۔“ میرے سامنے ہوا ہنستا مسکراتا۔ محبت کے سورا میں کم اور میں خاک ہوئے جاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ لا حاصل محبت ”عشق“ ہے اور عشق دیوانگی ہے۔

تڑپ ہے۔  
پاکل پن ہے۔  
جانی ہے۔

عشق جانتا ہے کہ کس انسان کو کیسے قابو کرنا ہے۔ کس کے لیے لافانی کا چارہ کافی ہے جس کے بلند مرتبے کی گندھی چھانے کی۔ کسے چند روز کی محنت کافی ہے کس کے پیچھے توں روز ہزار ہے۔ کسے اصل بات یہ ہے کہ عشق اور شیطان ایک ہی شے کے دو منہ ہیں۔

مجھے شیطان اپنی آدم کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے مجھے ذہری معمولی معمولی پوز دیتا ہے۔ ٹھیک ایسے ہی عشق بھی انسان کا یسی دل کرنا ہے اور جب انسان سورا دھن میں مست ہو جاتا ہے تو اسے زہر پھوڑ کر کسی اور سمت چل دیتا ہے۔ نفرت، نفرت کرنے والے کو اتنا برباد نہیں کرتی جتنا عشق، عشق کرنے والے کو تباہ کرتا ہے۔

”تمیں جاہو رہی تھی۔ اندر ہی اندر۔“  
”کبھی بھی تو مجھے لگا حسنین اور سحر مجھے جلدی کے لیے میرے سامنے اس لڑکی کا ذکر کرتے ہیں۔ جس سے ان طے میں دیکھے میں نفرت کرنے لگی تھی۔“

مجھے سحر سے بھی چڑھنے لگی تھی۔ وہ وقاص کا ذکر کرتی اور میرے زخم کو سورا سورا کر تکلیف دینے لگتے۔ اس کا ہر لفظ میرے دھنوں پر ٹھک پاشی کرتا تھا۔ ارباب زلال کے یہاں بیٹا ہوا تو جلی میں شیں روز تک اس منایا گیا۔ پورے اٹھارہ دن جمع قلم و حول۔ آگے ٹنڈو ناز جانے کیا کیا ہو رہا تھا۔

”وہ۔“ یوں خوش خوش پھر رہا تھا مجھے پہلی بار چاہا ہا۔ اونچا لب لہجہ بہترین باشکل ہر سیاہ کرتا شلوار خوب ڈھرا تھا۔ میں نے منہ پھیر لیا غمبلا دل ملائیں لینے۔ اس شخص نے خوشی خوشی اپنا آپ کسی اور کو ہونپا تھا۔

”جائے۔“ ”کبھی ہوگی۔“ ”خیر جیسی بھی ہوگی۔“  
ان شاء اللہ کبھی خوش نہ ہو سکے گی۔ اس نے میری خوشیوں کو تہہ و بالا کیا ہے۔ میری بددعا میں مدد اس کے تعاقب میں رہیں گی۔

میں اپنے گھرے کی بالکونی میں کھڑی سوچ رہی تھی جب اپنی کانیٹی سحر چلی آئی۔ جائے حویلی کے کس کو نے پرواقص سے ٹکرا کر آئی تھی۔ اور اب

اپنی اقل، بقل سانسوں کو سنبھالتی مجھے اپنا امیر سزا سدا رہی تھی۔

میں نے آج اس پر رشک نہیں کیا یا بلکہ دل میں بے اختیار حسد کا جذبہ ابھرا۔ اس کے چہرے کے رنگ میرے دل کو تاریک سے تاریک تر بنا رہے تھے۔  
”زہرہ! کیا تم مجھ سے خفا ہو؟“ اچانک اس نے پوچھا۔

”نہیں۔“ میں نے آنا کر جواب دیا۔  
”مجھ؟ کیا میری کوئی بات بری لگی ہے؟ خود سے تم کوئی بات کرتی نہیں ہو۔ میں بلاؤں تو سنتی ہو مگر آگ بہت ہے۔ آخر مسئلہ کیا ہے؟“

(مسکے ہوئے۔ تمہارے پاس وقاص ہے اس لیے اتنا بوجھ نہ کر رہی ہوں۔ وہ تو آج تمہیں چھوڑ دے تو میں بھی تمہیں سزا دیکھ کر ایسے ہی سوال پوچھوں گی۔)

”حسین بھی کہہ رہا تھا کہ زہرہ بہت بدل گئی ہے۔ بوجھ لینا نہیں اپنا دل لاہور میں ہی تو نہیں چھوڑ آئی؟“ وہ کہتی جاری تھی۔ میرے لبوں پر لہجہ ایشی مسکراہٹ گھر گئی۔

(چہ خوب اسے دکھائی دے گا کہ یہ وہ وہاں سے خالی ہے۔ اس حسی شخص سے گویا میں اپنا دل اس کے پاس چھوڑ گئی تھی۔ اسی نے میرے دل کو اپنے دھنوں سے روندنا حسب سبب بدل جانے کا کیا ٹھکانہ؟)

سحر کی چوڑیوں کی گنگ نے مجھے چونکا یا۔ نکھن ملائی سے دھلی کلائی میں سحر کا گنج کی چوڑیاں بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔

(جب میں خوش نہیں رہ سکتی تو کوئی اور کیوں رہے)

”ایسی بات نہیں ہے سحر! میں کچھ بوجھی طبیعت پر مجھل رہی ہے۔ شاید میں ان دلوں کو بہت میں کر رہی ہوں۔ جب ہم ہاتھل میں تھے۔ یاد ہے کتنی شرارتیں کیا کرتے تھے ہم دلوں۔ خیر چھوڑو۔ تمہاری چوڑیاں بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔“  
میں نے جان بوجھ کر اپنی سنی کلائی اس کے سامنے



کر دی۔ وہ مجھے پرانے رنگ میں دیکھ کر ڈھری ہو گئی اور آؤ میں چو فیاں اتار کر میری کلائی میں ڈال دیں۔ اس بات سے بے خبر کہ وہ میری کلائی نہیں سجا رہی۔ اپنی قسمت بگاڑ رہی ہے۔ میں خود غرضی کی انتہا کو چھو رہی تھی۔



صبح کا وقت تھا مگر رات ابھی باقی تھی۔ میں کمرے میں داخل ہو کر کچھ دیر چنگ پر لیٹی رہی۔ میری نگاہوں کے عین سامنے نیم مار کیسے تخت پر ساری صورت حال کی گواہی ملی۔ میں نے آنکھیں خود غرضی نے میری پیٹھ جھکی۔ میں نے آنکھیں زور سے کھینچ کر آنسو جذب کیے اور اگلے ہی لمحوں میں جھجھوڑ کر رکھ دیا۔ میں جانتی تھی نیند میں اسے کسی تصدیق کی ضرورت نہیں پڑتی۔

"کیا ہو گیا۔ کیا ہو گیا۔" وہ بڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"لو ہو دو روت۔ جی۔ بس یہاں سے اٹھ جاؤ۔ ہم اس کمرے میں نہیں سو سکتے۔" میں نے چہرے پر نیند سے جگمگے جانے کی انکسار طاری کرتے ہوئے کہا۔

"جی۔! نہیں سو سکتے۔ پھر ہم کہاں جائیں گے۔ مجھے تو ابھی بہت نیند آ رہی ہے۔" وہ پھر لیٹنے لگی تھی۔ میں بازو سے کھینچ کر بٹھا دیا اور چھینٹا کر لیٹا۔

"یہ کمرہ موانے سے قریب ہے یہاں کچھ مسلمان سوئیں گے ہم دونوں حسنین کے کمرے میں سوئیں گے وہ موانے میں اپنے دوستوں کے ساتھ ہے۔"

"بائے زہر! اچھی بڑی نیند آ رہی ہے۔"

"فوج دود۔ پھر نہیں سولی رہو میں تو چار دی ہوں۔" میں جیسے تب کر کمرے سے باہر نکل آئی اور ستون کی اوٹ میں ہو گئی۔ موقع کے عین مطابق ذرا اوپر بعد جمو جی جماعتی محر حسنین کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ میں جانتی تھی اس نے جانتے ہی سوجانا ہے۔ (مجھے معاف کرونا حسنین لیکن جب تم میرے

نہیں ہو سکتے تو میں جس میں کسی اور کا بھی کیوں ہونے والی جب میرے ہاتھ خالی ہیں تو تم بھی نہ پاسکے گا عذاب جلیل)

"و قاص بھائی اور ایک معمولی سا کام ہے مگر میں گے۔" وہ قریب تھے سو میں نے انہیں پکار لیا۔

"ایک کام۔ تم دو کام کو الودہا۔" وہ اس پیر میں بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"حسین کے کمرے میں الماری سے ایک بیک نکالنا ہے اور ایک چوٹی میز اٹھوانا ہے۔ حسنین کو ملازموں کو اسے کمرے میں جانا پسند نہیں ہے۔ سو آپ یہ کام کریں گے؟" میں نے اس سے پوچھا وہ کھل کر ہنس کر کہنے لگی۔

"یہ بھی کوئی کام ہے۔ چلو۔"

کبیر بچا بھی وہیں تھے "بڑی میز" سن کر ہمارے ساتھ ہو گئے۔ حسنین کی عادات سے ہر بندہ واقف تھا۔ سو میری کلائی میں غلطی بھول محسوس نہ ہوا۔

"تم تو اتنی جلدی سو جایا کرتی ہو۔ آج کیسے جاگ رہی ہو۔؟"

کبیر بچا نے میرا سر تھپتھپایا۔ میں بمشکل مسکرائی کہ اگلے چند لمحوں میں میری سوہنی ہوئی جو صورتحال ترتیب پائی تھی "اس نے میرے وجود میں شخصی سی دوا ڈالی تھی۔"

"کب کو پتا تو ہے پچا مجھے تھا کون ہو جائے تو نیند نہیں آتی۔"

میں نے لپک پاتے ہاتھوں سے دردناک کھولا۔ کمرے میں الماری کا مٹا ہوا چھلکا ہوا تھا۔ و قاص بھائی نے جی چاکی اور۔

ہم تینوں کے قدم ساکت ہو گئے۔

پلنگ پر وہ دونوں برابر لیٹے ہماری نیند میں تھے حسنین کے بدن پر کبھی نہیں تھی۔ محر کا وہ (بہت) میں تھوڑی دیر پہلے یہاں ڈال لی تھی (نہیں پڑا تھا اور میری کلائی کی چوڑیاں لوٹ کر ان دونوں کے درمیان پڑی تھیں۔

میں نے دیکھا ان دونوں سے ان دونوں کو دیکھا

غیرت پر آواز نہ پڑے تو جیسی کیفیت ہو سکتی ہے ان کے چہرے پر دیکھی کیفیت رہ گئی۔

اس کے بعد چوٹی میں طوفان آیا۔

تین تین چشم بے گوارہ ہوئے۔ کبیر بچا تو شرمسار تھے۔ و قاص بھائی کا تو بس نہیں چل رہا تھا۔ دونوں کی گردنیں اٹا ڈالیں۔ باقی پکی میں۔ تو میں پورا ذرا اندر تیب دینے کے بعد آخری قسط کیسے ناکام ہو جانے لگی۔

"سبحو! تم اپنا کلام تمہارے لیے مجھے سچ میں کیوں لارہی ہو؟" میں نے روتے ہوئے حرکت کی تھی کی تھی۔

وہ جو سسک سسک کر رہی تھی۔ "دنگ سی مجھے دنگے تھی۔ میں نے سنا تھا کہ نظریں پڑائیں۔ مگر اپنے موقف سے ایک قدم پیچھے نہ ہٹی۔

محر کھل باب کا سر اٹھا کر اٹھا۔

بالآخر فیصلہ میرے حسب نصاب ہوا۔

چوٹیوں کے اپنے قوانین اپنی حکومت اور اپنے اصول و ضوابط ہوتے ہیں۔ حسنین اور محر کو نظر کے نور اٹھنے چوٹی کے چھوٹے کا حکم ہوا اور و قاص بھائی کی غیرت کی تسکین کے لیے محر سے چوٹی سارہ کو ان کے عقد میں دے دیا گیا۔ (اس کی عمر شخص تیرہ برس تھی)

بزرگوں کے اس فیصلے پر سارے میں سکوت چھا گیا۔

حسین قادر ہارے ہوئے پلٹنے کی طرح بے بس بیٹھا تھا۔ اس نے بہت دیر تک سب کے سامنے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر تمام نوبت اس کے خلاف جاتے تھے اور اب فیصلہ بھی۔

میں مسلسل اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر جو بار بھی مجھے نہیں تھی جو شکست و رنجیت تھی۔ وہ مجھے اندر تک پر سکون کر رہی تھی۔ اچانک اس نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں۔

میں نے سنا تھا کہ نظریں پھیر لیں۔ وہ اٹھ کر میرے قریب آ گیا۔ میں دردناک سے قریب کھڑی تھی۔

وہ نیند کی گویا قریب دنگ۔

"دعا کرنا کہ اب تمہارا بھرم ساری زندگی قائم رکھ سکوں۔ مجھے اللہ میں ہے کہ میں نے تمہیں پہچاننے میں غلطی کر دی۔"

نصرت دیکھی تو از سرورشت لہجے میں کہتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔



اس رات میری پیکوں پر ایسی بر سکون نیند آ رہی کہ بس حد نہیں۔ میں نے اپنی شکست اپنی تو جین کا دل نہ لے لیا تھا۔ نیند کیسے نہ مہیا ہوئی۔ صبح میں دیر تک سوئی رہی اور دیر سے بیدار ہوئی۔ چوٹی میں سوٹ کا سامنا تھا چھایا ہوا تھا۔

میں کسی کام سے لاپرواہی کے کمرے میں آئی تھی۔ اس کی آواز بھی تھی۔ مگر وہ اندروں میں اہستہ پردے کو توڑ کر باہر تک آ رہی تھی۔

"اچھا ہوا جو ہم نے حسنین کے لیے ہائی نہیں بھری۔ تم بخت گل چہرے اڑا کر میرے اس محر کے ساتھ اور رشتہ ڈال دیا ہماری جی کے لیے۔ حد ہے۔"

میں فیصلہ کر سکی الفاظ تھے یا کھلا ہوا سیر۔

ایک ایک کر کے میری ساری "دعا میں" میرے توجہ میں پٹی آئی تھیں۔ کاش میں نے ایک بلڈا کر ایک بار اپنے سکون کے لیے بھی دعا مانگی ہوتی۔

مکتوبہ ڈاکٹریٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ

# ایرپوسٹس

تب وہ صفوں میں شائع ہو گئی ہے

مکتوبہ ڈاکٹریٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ